ابو جی! ۔۔۔ گزر گئی گزران

قدیسہ سعید (لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج فار ویمن، جڑانوالہ، فیصل آباد)

میری سماعت سے ٹکرانے والی پہلی آواز جو اذان کی صورت میرے دماغ تک پہنچی، میرا نام رکھنے والی ہستی، میری تعلیم، پیشے اور شادی جیسے اہم معاملات میں پوری دل چسپی لینے والی ذات، میرے نکاح خواں، اور پھر میرے بچے کے کان میں اذان دینے اور نام رکھنے والی شخصیت میرے ابو جی ۔۔۔ محمد اسحاق بھٹی۔

یوں تو ہمارے اعزا و اقربا میں بہت بچوں کے نام ابو جی نے رکھے لیکن شاید یہ اعزاز صرف میرے ہی پاس ہے کہ میرا، میرے خاوند کا اور میرے بچوں کے نام ان ہی کے تجویز کردہ ہیں۔ قدیسہ، جنید، ثوبان اور ریان۔

میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں ہر وقت اخلاقیات کا درس ملا۔ یہاں تک کہ پڑھنے پڑھانے کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ ہمیں بچپن ہی میں متجسس، خوف ناک، رومانوی، جن، پری، بادشاہ، ملکہ یا جانوروں کی کہانیاں سنانے کی بجائے قصص الانبیاء اور دیگر اہم شخصیات کے واقعات سے متعارف کروایا گیا اور سبق آموز کہانیاں سنائی گئیں۔ انھوں نے مجھے اس وقت ناظرہ قرآن پاک پڑھا دیا تھا جب میں ابھی سکول داخل بھی نہیں ہوئی یعنی چار سال کی عمر میں۔ مجھے بچپن کی ایک نظم آج بھی یاد ہے کہ

سات پتے توڑیں گے — ایک پتہ کچا، ہرن کا بچہ
ہرن گئی جیل میں — جیل میں کھائے بسکٹ
بسکٹ بہت خراب — ہم نے پی شراب
شراب بہت اچھی — ہم نے کھائی مچھی

مچھی سے نکلا کانٹا　　　کانٹا میں سے خون
کردو ٹیلی فون　　　ٹیلی فون گھنٹی نہیں

یہاں تحریف کا سہارا لیتے ہوئے ابو جی نے شراب کی جگہ کتاب کروایا اور یہ نظم یوں ہوگئی:

سات پتے توڑیں گے　　　ایک پتہ کچا، ہرن کا بچہ
ہرن گئی جیل میں　　　جیل میں کھائے بسکٹ
بسکٹ بہت خراب　　　ہم نے پڑھی کتاب
کتاب بہت اچھی　　　ہم نے کھائی مچھی
مچھی سے نکلا کانٹا　　　کانٹا میں سے خون
کردو ٹیلی فون　　　ٹیلی فون گھنٹی نہیں

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں شراب کے مفہوم سے بھی نا آشنا تھی۔ لیکن انھوں نے ہمیں ایسے الفاظ سے بھی دور رکھا۔ جھوٹ کی جگہ غلط بیانی کا لفظ ڈکشنری میں شامل کیا۔ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے اور بات کرنے کے آداب سکھائے انھوں نے ہمارے ہر فعل پر نظر رکھی اور ہمیں فیل ہونے سے بچایا، اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ سب پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اچھے کام کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور برے کام کرنے والوں کو سزا دیتا ہے۔ ہم نے اسی ماحول میں تربیت پائی اور آج میں جو بھی ہوں جہاں بھی ہوں اس میں بڑا دخل گھر کے ماحول کا ہے۔ اور گھر وہ جہاں ابو جی ہوں جب ہم پرچہ دینے آنے کے بعد گھر آتے تو پورا paper سنتے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا کہ paper دینے کے بعد ابو جی کو سنانے کے لیے سکول میں بیٹھ کر تیاری کرتے۔

دراز قامت، گھنگریالے بال، خندہ پیشانی، سفید ریش سے سجا نورانی چہرہ، ذہانت اور حاضر جوابی سے چمکتی آنکھیں، ہونٹوں پہ مسکراہٹ، بلند حوصلہ، پرامید اور کبھی مایوس نہ ہونے والی ایک بھرپور علمی شخصیت جو اپنی ذات میں ایک انجمن، شخصیات پر کام کرنے والا ایک ادارہ، اپنے منفرد انداز کی وجہ سے نئے سبک کی بنیاد رکھنے والے میرے ابو جی۔

''کتب بینی ہے سیر اپنی کتابیں ہیں چمن اپنا'' کے مصداق بیٹھک میں یا اپنے کمرے میں سامنے میز پر رکھے کاغذوں اور کتابوں کے ایک چھوٹے سے انبار پر جھکے کچھ نہ کچھ لکھنے یا پڑھنے میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ۔۔۔۔اور اتنے مصروف کہ گھر اور مافیہا سے بے نیاز ۔۔۔نزدیک ہی رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی سے غافل۔۔۔۔آپ پاس کھڑے خاموشی سے دیکھتے رہیے آپ کے وجود سے بے خبر۔۔۔۔جب تک آپ انھیں اپنی آمد سے باخبر نہیں کریں گے اپنے کام میں منہمک۔

خدا کی قدرت دیکھیے پیرانہ سالی کے باعث اکثر اوقات کھانا کھاتے، پانی یا چائے پیتے، ہاتھوں میں رعشہ محسوس ہوتا ہے، لیکن جب وہ خط وکتابت میں اپنے خیالات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں یا کسی کو خط لکھ رہے ہیں اس وقت وہی ہاتھ قوی ہاتھوں کی مانند مستقل مزاجی سے چلتے جا رہے ہیں۔

اردو، پنجابی، عربی اور فارسی کے متعدد اشعار ضرب الامثال اور محاورے ان کے حافظے کا حصہ تھے۔اس کے علاوہ دوہے، ٹپے اور بولیاں از بر تھیں جن کا وہ برمحل استعمال بھی کرتے ۔البتہ حساب کتاب خود نہ کرتے اور انگلش کا خواہ کوئی ایک لفظ ہوتا ہمیں آواز دے دیتے۔

نصف شب کو اٹھ بیٹھنا، نوافل کی ادائیگی کرنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور بھرپور خشوع وخضوع سے رو رو کر عزیز واقارب کے لیے دعا کرنا، نماز فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد جانا ان کی طبعیت کا ایسا رچا بسا معمول رہا، جس نے آخری دنوں تک ان کا ساتھ دیا۔

خاندان اور محلے کے سبھی لوگ ان کا احترام کرتے اور وہ بھی سب کا خیال رکھتے۔خوشی اور غم میں برابر شریک ہوتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔میری دانست میں انھوں نے کبھی کسی سے قرض نہیں لیا۔چند احباب نے انھیں حج کروانے کی پیش کش کی تو انھوں نے کہا کہ میں حج بھی اپنے ہی پیسوں سے کرنا چاہتا ہوں اور الحمدللہ ایسا ہی ہوا اور وہ فروری ۲۰۰۰ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔

چوں کہ ایک ادیب کا مشغلہ اور پیشہ لکھنا، لکھنا اور لکھنا ٹھہرتا ہے، کچھ ایسا ہی حال ابو جی کا

بھی رہا۔ گھر میں کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ، ذاتی لائبریری کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں تقریباً ہر زبان میں قرآن مجید کے متعدد نسخے موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اہم لغات، انسائیکلو پیڈیاز، اخبارات و رسائل کی سالانہ جلدیں بڑی تعداد میں شامل ہیں۔

کبھی کبھار ہماری امی جی اور ابو جی کی بیوی جو ایک ان پڑھ اور سادہ مزاج خاتون تھیں، ان کے ہمہ وقت اس لکھنے پڑھنے کے عمل کو اپنی سوتن کا درجہ بھی قرار دے دیتیں، اور کہتیں کہ لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے گھر کو وقت دیتے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ مصروف کر لیا ہے۔ امی جی کی یہ بات بالکل بجا ہے کہ ابو جی نے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد زیادہ کام کیا اور ادبی، علمی اور مذہبی دنیا میں شہرت دوام حاصل کی۔

گھر میں جب بھی ابو جی کتابیں لاتے تو امی جی کہتیں ''جیہڑیاں پہلے اینیاں کتاباں پئیاں اے اوہ کتاباں پڑھ لئیاں سی کہ ہور لے آئے او؟ (جو کتابیں گھر میں موجود ہیں کیا انھیں پڑھ لیا ہے کہ اور خرید لائے ہیں۔)

ایک اور دلچسپ واقعہ ملاحظہ کیجیے ہمارے ہاں گاؤں سے مہمان آئے ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ان کے بچے بھی تھے۔ ابو جی نے انھیں اپنے مخصوص انداز میں بہت اچھے طریقے سے خوش آمدید کہا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، ادھر ادھر کی باتیں چلیں اور پھر کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئے اور کام، کام اور بس کام۔ اب وہ بچے انھیں کام کرتے دیکھتے رہے۔ وہ ان کے کمرے میں آتے اور میز پر پڑے قلم، کاغذات، عینک اور رسائل کو پکڑتے اور ان کی والدہ انھیں اپنے پاس دوسرے کمرے میں لے جاتیں۔ غالباً بچوں نے ایسا ماحول پہلے نہ دیکھا ہو گا۔ دو ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا بڑا بچہ کہنے لگا بڑے ابو کیا کام کر رہے ہیں تو اس کی والدہ نے بچے کی ذہنی سطح کے مطابق اسے کہہ دیا کہ وہ اپنے سکول کا کام کر رہے ہیں۔ انھیں اپنا کام ختم کرنے دو پھر آ جانا۔ بچے مطمئن ہو کر چلے گئے، کافی دیر بعد بچے پھر آئے اور ابو جی اپنے کام میں مصروف۔۔۔ اب بچے نے کہا ابھی بڑے ابو کا سکول کا کام ختم نہیں ہوا کیا انھیں ان کے ٹیچر نے سزا دی ہوئی ہے؟ جب میں نے یہ بات ابو جی کو بتائی تو وہ کھلکھلا کے ہنس دیے اور پھر بچوں سے بھی باتیں کیں۔

خبروں سے آگہی ان کا ایک بہت اہم مشغلہ رہا، جس میں اخبار پڑھنا اور خبریں سننا دونوں شامل ہیں۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۱ دسمبر کو بھی ہسپتال میں اخبار منگوایا اور پڑھا۔

اگر ان کے لباس کا ذکر کیا جائے تو شاید آپ کو حیرت ہو کہ نوجوانی اور جوانی میں جو الحمدللہ ۹۰ سال کی عمر میں بھی قائم رہی، صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے۔ ریٹائرمنٹ لینے کے بعد چوں کہ زیادہ وقت گھر میں گزارتے اس لیے دھوبی سے دھلوانے اور استری کروانے کا کام چھوڑ دیا امی جی بتاتی تھیں کہ تمہارے ابو جی کے دفتر کے لیے تیار ہونے کے بعد کپڑے پر کوئی نشان پڑ جاتا یا کوئی بچہ گندے ہاتھ لگا دیتا تو فوراً کپڑے تبدیل کرتے اور کوئی اور سوٹ پہن کر دفتر جاتے۔ ابو جی لڑکیوں سے اپنے بوٹ پالش نہ کرواتے البتہ اگر ان کا مطلوبہ استری شدہ نہ ملتا تو ڈانٹ پلاتے۔ انھیں منافقت نہیں آتی تھی جس کی جو بات بری لگتی وہ اس کے سامنے بیان کر دیتے اور بعض اوقات تو سب کے سامنے برس پڑتے۔ خوراک بالکل سادہ خاص طور پر مرغن کھانوں سے پرہیز کرتے۔ ان کی مرغوب غذا مچھلی، شہد، دودھ اور گڑ رہا۔ گڑ والے چاول، گڑ والی سویاں، گڑ والا حلوہ جسے کبھی کبھی ازراہ مذاق ''کڑاہ'' بھی کہتے، بہت شوق سے بنواتے۔ جب پوچھا جائے کہ آج کیا پکائیں تو ہنستے اور کہتے مجھے شہد یا دودھ کے ساتھ روٹی دے دینا۔ اس کے علاوہ ساگ اور مکئی کی روٹی خود بھی کھاتے اور اپنے دوستوں کو بھی بہت شوق سے دعوت دیتے اور وہ بھی خوش دلی سے اس دعوت کو قبول فرماتے۔

ابو جی ایک وسیع المطالعہ، وسیع القلب اور وسیع المشرب شخصیت کے مالک رہے۔ ان کے حلقہ احباب میں ہر مذہب، ہر مسلک، ہر عہدے اور ہر عمر کے لوگ شامل رہے۔ وہ ہر ملنے والے سے اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے۔

ابو جی میری ذات کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ جب میں جی سی یونیورسٹی لاہور میں ایم اے اردو میں داخلے کے لیے انٹرویو دینے گئی تو وہاں پہلا سوال میرے نام ہی سے متعلق تھا جسے میں نے واضح کیا کہ یہ قرشت والے ق سے ہے اور قدس سے فعیل کے وزن پر قدیس اور مونث بنانے کے لیے ہ کا استعمال ہے مزید یہ بھی بتایا کہ قدیس ایک قیمتی ہیرے کو بھی کہتے ہیں۔ وہ بہت خوش

ہوا۔ پھر گھر کے پتے کو دیکھتے ہوئے سوال اٹھایا کہ آپ کے علاقے میں کوئی ادیب بھی ہے؟ تو میں نے ابو جی کا نام لیا وہاں موجود ایک استاد محترم نے کہا کہ اب آپ نے ایک بھاری بھرکم شخصیت کا نام لے لیا ہے، آپ اپنا داخلہ یقینی سمجھیں اور فیس جمع کروائیں۔

لیکن میں نے پنجاب یونیورسٹی اوری اینٹل کالج میں داخلہ لیا وہاں ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر اور ڈاکٹر زاہد منیر عامر سے ابو جی کے مراسم تھے۔ انھوں نے مجھے اپنا تعارف کروانے کا بھی کہا۔ لیکن میں اپنی نالائقی کی وجہ سے ذکر نہ کرتی۔ خیر آہستہ آہستہ میں نے اپنا تعارف کروادیا۔ ایک مرتبہ سر زاہد کے پاس ایک اسائنمنٹ جمع کروانے گئی تو وہاں ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب تشریف فرما تھے۔ سر زاہد نے انھیں بتایا کہ یہ محمد اسحاق بھٹی صاحب کی بھتیجی ہے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ابو جی کی صحت و مصروفیت کا پوچھا۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگا۔ اسی طرح ایم اے کرنے کے بعد ایم فل میں داخلے کی خواہش نے جنم لیا تو ایم فل کے داخلہ فارم میں ایک حصہ ٹیچر کے ریفرنس کا تھا۔ جسے میں نے سر زاہد سے fill کروایا، اس فارم پر درج ایک جملہ ''متعلمہ ایک علمی روایت کی امین ہے'' میرے پاس محفوظ ہے اور میرے لیے باعثِ فخر ہے۔ یہ احساس تفاخر ابو جی ہی کی وجہ سے در آیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابو جی کو ماشاء اللہ بہت اچھے حافظے سے نوازا تھا، وہ واقعات کو تمام جزئیات کے ساتھ بیان کرتے۔ جب میں ۱۹۸۸ء میں اسکول میں داخل ہوئی اور ابھی اسکول کا پہلا ہی دن تھا اور خوش تھی۔ جب اسکول سے واپس آئی تو سب گھر والے بھی خوش تھے اور اسکول کے متعلق مختلف قسم کے سوالات کر رہے تھے۔ تمہارا اسکول کیسا ہے؟ وہاں کیا کیا ہے؟ ٹیچر کیسے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ وہاں میں نے اپنی کلاس کے تعارف میں ایک بات یہ بھی بتائی کہ ہماری کلاس میں ایک بہت بڑا اسلیٹا (اپنی دانست میں سلیٹ کا اسم مکبر) بھی ہے۔ سب محظوظ ہوئے اور بات ختم ہوئی۔ پھر جب ۲۰۰۴ء میں میری سکول میں بطور معلم تقرری ہوئی تو ابو جی نے پوچھا ہاں بتاؤ اب تمھارے سکول میں سلیٹا ہے یا نہیں؟

ان کی یادداشت کا ایک اور واقعہ سنیئے۔ ۲۰۱۱ء میں ابو جی کا موٹر سائیکل رکشے سے ایکسیڈنٹ

ہوا جس میں بازو پر ضرب لگی، میں بھی لاہور انھیں ملنے آئی، جب ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے تو ڈاکٹر نے بازو کی ورزش (exercise) کا بھی کہا، گھر آئے تو مجھے کہنے لگے کہ ڈاکٹر نے ورزش کا کہا ہے، ورزش کا کوئی نقصان نہیں ہے اس میں ہینگ لگتی ہے نہ پھٹکری۔ یہ وہ جملہ ہے جو میں نے اپنی تیسری یا چوتھی جماعت کے پرچے میں لکھا تھا آج انھوں نے وہ دہرا دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ تمھیں کچھ یاد آیا؟

میں نے ابو جی کو کبھی مایوس نہیں دیکھا، اللہ سے شکوہ کناں ہوتے نہیں پایا میں نے اپنی فیملی میں کسی ایسے بوڑھے جوان کو نہیں دیکھا جو خود بھی کام میں جتا رہے اور دوسروں کو بھی تلقین کرے یہ ہی وجہ ہے کہ انھیں دیکھ ہمیشہ یہی گمان ہوا کہ

بلند تر ہیں حوصلے شباب پر ہیں ولولے
گرفت میں ہیں آسمان کئی جہت کئی صبح جہاں

ستمبر ۲۰۱۵ء میں ابو جی گاؤں آئے تو اتفاقاً میرے بیڈ روم میں قیام کیا۔ کوئی ایک ہفتہ یہاں رہے۔ ہم ان کے وضو کے لیے گرم پانی کا اہتمام کرتے اور انھیں ان کی ضرورت کی ہر چیز فراہم کرنے کی کوشش کرتے وہ خوش ہوتے اور دعا دیتے۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ کہ میں نے اپنے کمرے کی دیوار ہی میں کچھ کتابیں سجا رکھی ہیں۔ انھوں نے مجھے کئی بار پی ایچ ڈی کرنے کا حکم صادر فرمایا لیکن اپنی نجی مصروفیات کے باعث جی اچھا ابو جی۔ جی اچھا ابو جی کہتی رہی۔ خدا کرے میں ان کی یہ خواہش بھی پوری کر سکوں۔

میری ابو جی سے جب بھی فون پر بات ہوتی تو سب سے پہلے ثوبان کا پوچھتے اور پھر باقی سب کا۔ اور پھر دوسری بات آپ نے لاہور کب آنا ہے؟ جی ابو جی آؤں گی، آنا ہے۔ یہی کہتی لیکن نہ آسکی، دراصل ۲۰ دسمبر کو محمد ریان سوا ماہ کو ہوا اور ابو جی اسی روز کمر درد کے باعث میو ہسپتال میں داخل ہو گئے اور پھر ۲۲ دسمبر کی صبح تقریباً پونے چھ بجے مجھے اطلاع ملی تو تو میری زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے بعد بے ساختہ یہی الفاظ نکلے۔ ابو جی!۔۔۔ گزر گئی گزران۔ اس کے ساتھ ہی میری تمام مصروفیات ختم ہو گئیں اور میں لاہور پہنچ گئی۔ انھیں ریان کو دیکھنے کا

بہت شوق تھا ان کے جانے کے بعد ۲۱ دن بعد ۱۳ جنوری کو ریان بھی ان کے پاس چلا گیا۔ مجھے ۲۴ ستمبر ۲۰۱۴ء کو بھی ایک بچے کی وفات کا سامنا کرنا پڑا تھا جب میں کوئی دو ہفتے بعد گھر آئی تو مجھے گلے لگا کر رونے لگے اور پھر کہا کہ یہ بچہ ماں باپ کے لیے جنت میں داخلے کا باعث بنے گا۔

پچھلے سال ابو جی نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک کنواں ہے اور اس کنویں کا پانی اب کم رہ گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی پتھریاں نظر آنے لگیں ہیں۔ ابو جی نے اس خواب کی تعبیر بھی بتا دی تھی لیکن میں نے انھیں کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں اللہ آپ کی عمر میں برکت کرے۔۔۔۔اب واقعی کنویں کا پانی ختم ہو گیا ہے۔ ابو جی ایک ایسا کنواں تھے جس سے اہل خانہ، رشتہ دار، دوست احباب، طلبا اور علما، اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سیراب ہوئے اور سب نے اپنے اپنے طور پر پیاس بجھائی۔

اگر کہا جائے کہ ابو جی ہمارے ہر مسئلے کا حل تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ نہ صرف میری بلکہ ہم سب کی قدمے، درمے، سخنے مدد فرماتے۔ اس کے علاوہ ہم اپنے نفسیاتی و دینی مسائل کا حل بھی ان سے دریافت کرتے لیکن اب

کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں کہاں تلاش کریں
جس آدمی کے دل میں ہو ایثار آدمی کے لیے
یہاں تو پہلے ہی قحط الرجال تھا یارو
اصول پوچھیے اب کس سے زندگی کے لیے

ابو جی سیلف میڈ شخصیت۔ خاندان میں نہ تو کوئی علمی و ادبی گھرانہ نظر آتا ہے اور نہ معاشی طور پر مضبوط۔ پھر بھی ایک ایسا شخص جو اپنی مدد آپ کے تحت آج ایک ادارے، ایک تنظیم، ایک انجمن کی حیثیت اختیار کر گیا ہو کسی اعجاز سے کم نہیں۔ بلاشبہ ان کے انتقال سے تاریخ کا ایک باب بند ہو گیا ہے۔ اب خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کی قبر پر نور بنائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے